منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۹)

© rasailojaraid

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم ...... اما بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾﴾ ...... صدق اللّٰہ العظیم

اذکارِ مسنونہ و ادعیہ ماثورہ کے بعد:

حضرات! آج ہم زیرِ درس سورۃ (الحدید) کی آخری دو آیات ۲۸، ۲۹ کا مطالعہ کر کے اس سورۂ مبارکہ کا درس مکمل کریں گے۔ اس سے پہلے میں آیت ۲۷ سے متعلق

© rasailojaraid

ایک نکتے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

اُمتِ مسلمہ میں رہبانیت کا نفوذ اور اس کے اسباب

جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ متبعین مسیح علیہ الصلاۃ والسلام میں اگر رہبانیت کا نظام آیا تو جہاں اس میں شیطان کے اغوا و اِضلال کا معاملہ ہوا کہ اس نے انہیں جہاد و قتال' انقلاب اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد سے ہٹا کر ان کی صلاحیتوں کو اس رخ پر موڑ دیا وہاں اس کے لئے کچھ اسباب بھی موجود تھے۔ لیکن حضور ﷺ کی امت میں اگر یہ معاملہ آیا ہے تو وہ میرے نزدیک اس کی نسبت سینکڑوں درجے زیادہ قابل مذمت ہے' اس لئے کہ ان اسباب میں سے کوئی سبب یہاں موجود نہیں تھا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کا اُسوہ نہایت جامع اور نہایت متوازن ہے اور اس میں دین و دنیا کا مکمل اور خوبصورت امتزاج ہے۔ یہاں تک کہ تعددِ ازدواج اس ضمن میں سیرت کی سب سے نمایاں بات ہو سکتی ہے' لیکن یہ کڑوی گولی عیسائیوں کے حلق سے قطعاً نہیں اترتی۔ اس لئے کہ ان کا آئیڈیل حضرات مسیح اور یحییٰ علیہما السلام ہیں اور انہوں نے ایک ایک شادی بھی نہیں کی' جبکہ حضور اکرم ﷺ نے گیارہ شادیاں کیں اور کنیزیں ان کے علاوہ تھیں۔ تو اس حوالے سے ان کے لئے تو کوئی نہ کوئی عذر موجود ہے' لیکن ہمارے ہاں اس کے باوجود اگر رہبانیت کا نظام آیا ہے تو یہ بہرحال زیادہ قابل مذمت ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں پر تو جہاد و قتال کا راستہ شروع ہی نہیں ہوا' جبکہ یہاں نہ صرف شروع ہوا بلکہ بھرپور طریقے پر اس کے سارے مراحل و مدارج طے ہوئے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس ضمن میں ہمارے لئے کس درجے واضح سنگ ہائے میل اور نشاناتِ راہ چھوڑے ہیں! اور پھر حضور ﷺ کی صریح احادیث بھی ہیں کہ جب تک پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا غلبہ نہیں ہو جاتا' جہاد و قتال کا یہ عمل جاری رہے گا۔ اس حوالے سے ہم نے اگر اس راستے سے انحراف کیا ہے تو یقیناً ہم زیادہ بڑے مجرم ہیں بہ نسبت حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین کے۔

البتہ ہمارے ہاں کچھ حضرات اس راستے پر چلے گئے ہیں تو میں اصولی طور پر یہ

© rasailojaraid
© rasailojaraid

بات کہنے کے بعد ان کی طرف سے کچھ معذرت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اپنے دل میں کسی فرد کے ساتھ کوئی سوءِ ظن مت آنے دیجیے! حدیث نبویؐ ہے: ((اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ)) ''اپنے فوت شدگان کو بھلے الفاظ میں یاد کیا کرو''۔ ہمیں نہیں معلوم کس کے ساتھ کیا مجبوری تھی' کس کے کیا ذاتی حالات تھے' کس کا کیا معاملہ تھا۔ ایسے اشخاص کی طرف سے میں دو معذرتیں (apologies) پیش کر رہا ہوں اور انہیں ریکارڈ پر لے آنا چاہتا ہوں۔

ایک یہ کہ مسلمانوں کے حکمران جب فاسق و فاجر ہوں تو ان کے بارے میں اس بات کی بڑی تاکید آئی ہے کہ ان کے خلاف خروج میں حد درجہ احتیاط برتی جائے۔ ظاہر بات ہے کہ جب حکومت قائم ہو گئی ہے تو اب اس کا ایک نظم ہے' ایک سربراہ ہے' چاہے وہ ظالم اور فاسق و فاجر ہے' لیکن ہے تو مسلمان! اب اس کے زیر قیادت قتال کا معاملہ بھی ہو گا۔ کچھ عرصہ اس طرح ہوتا رہا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی سرحدیں تھیں وہاں پر مسلمان جہاد و قتال کا معاملہ آگے بڑھاتے رہے۔ لیکن پھر ہوتے ہوتے ایک نظم مملکت کے اندر ساری چیزیں حکومت کے تابع ہو جاتی ہیں۔ اب عام آدمی اپنے طور پر اس قسم کا بڑا کام نہیں کر سکتا جب تک ان فساق و فجار حکمرانوں کو نہ ہٹایا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے علیحدہ سے کسی جماعت' کسی تحریک کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کام کو لے کر اُٹھ کھڑی ہو۔ تو خروج پر حضورﷺ کی طرف سے شدید بندشیں اور شرائط عائد کی گئی ہیں۔ میں اس وقت تفصیل میں نہیں جانا چاہتا' اس بارے میں امامِ اعظم امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے ——— اور میں اسے صحیح سمجھتا ہوں ——— کہ ''فاسق و فاجر مسلمان حکمرانوں کے خلاف مسلح بغاوت جائز ہے' بشرطیکہ اتنی قوت فراہم ہو چکی ہو کہ بظاہرِ احوال کم سے کم کامیابی یقینی ہو جائے''۔ اب ایسے ماحول میں اس قوت کا فراہم ہونا جبکہ ان کا ایک مستبد نظام قائم تھا' محالات کے درجے میں تھا۔ لہٰذا اُس دور میں جہاد و قتال ایک طرح کا Imperialist extension کا مرحلہ تو بن گیا لیکن اس کی نوعیت اُس جہاد و قتال کی نہیں رہی جو غلبہ دین کے لئے تھا۔

© rasailojaraid

© rasailojaraid

اسی طرح سے ایک دوسرا عامل یہ تھا کہ ابھی تک انسان کا تمدنی اور عمرانی شعور اس درجے تک نہیں پہنچا تھا کہ ''ریاست'' اور ''حکومت'' کے درمیان فرق ہو۔ حکومت کو بدلنے کے لئے بھی سوائے مسلح بغاوت کے کوئی چینلز ابھی موجود نہیں تھے' جیسے کہ آج ہمارے سامنے حکومت کو بدلنے کے لئے چینلز ہیں۔ آج کم از کم عالم اسلام کے وہ ممالک جہاں کسی درجے میں جمہوریت ہے اور وہاں حقوق انسانی اور شہری حقوق کا تصور موجود ہے وہاں کے عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ حکومت کو بدلیں' چاہے ووٹ کے ذریعے بدلیں' چاہے ایجی ٹیشن کے ذریعے بدلیں۔ ایجی ٹیشن بھی وہ جو پرامن ہو' منظم ہو' جس سے کسی کی جان اور املاک کو نقصان نہ پہنچے' صرف یہ کہ گھیراؤ کر کے حکومت کی مشینری کو بلاک کیا جا رہا ہو تو یہ بھی ان کا جائز اور دستوری حق ہے۔ چونکہ دورِ ملوکیت میں اس طرح کے حقوق کا تصور موجود نہیں تھا لہٰذا بہت سے حضرات نے تصوف اور رہبانیت کا راستہ اختیار کر لیا۔

© rasailojaraid

اس حوالے سے آج کے دور میں ہمیں یہ سہولتیں حاصل ہو گئیں جو سابقہ ادوار میں نہیں تھیں۔ جہاں تک تمدنی حقوق کا تعلق ہے' بعض ممالک جیسے سعودی عرب اور عرب امارات میں تو ان کا تصور ہی سرے سے نہیں ہے اور کہیں صرف دکھاوا ہے' جیسے کہ مصر اور لیبیا وغیرہ۔ ان ممالک میں بڑی شدید آمریت ہے' یک جماعتی حکومت کا نظام چل رہا ہے۔ لہٰذا یہاں انتخاب اور ایجی ٹیشن کا کوئی امکان پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں کہیں بھی حقوق کا یہ تصور موجود ہے اُن ممالک میں سے ایک خوش قسمت ملک ''پاکستان'' بھی ہے' جس میں ہمیں یہ حقوق آزادانہ طور پر حاصل ہیں۔ پھر اگر ہم ان حقوق کو استعمال نہ کریں اور رہبانیت کا راستہ اختیار کر جائیں اور اس پگڈنڈی کی طرف مڑ جائیں تو پھر ہمارے لئے کوئی دلیل' کوئی عذر نہیں ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اہل کتاب سے کہا گیا: ﴿یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ﴾ (المائدۃ:٦٨) ''اے اہل کتاب! تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ تم پر تمہارے ربّ کی

© rasailojaraid

طرف سے نازل کیا گیا اس کو قائم اور نافذ کرو''۔ اس آیت کو اگر ہم اپنے اوپر منطبق کریں تو یوں کہا جائے گا: "یا اھل القرآن لستم علی شیء حتی تقیموا القرآن وما انزل الیکم من ربکم" ''اے اہل قرآن (اے مسلمانو!) تمہارا تو کوئی بھی مقام نہیں ہے (ہم سے بات کرنے کا منہ نہیں ہے) اگر تم قائم نہیں کرتے ہو قرآن کو اور جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے تمہاری جانب نازل کیا گیا ہے''۔ ہمارے ہاں جو دانش ور کہلانے والے حضرات ہیں وہ یہاں بھی گریز کا راستہ اختیار کرتے ہیں کہ یا تو صرف دعوت و تبلیغ ہوتی رہے یا کوئی علمی و تحقیقی کام ہوتا رہے' بس صرف قیل وقال ہوتا رہے' کسی جہاد' قتال' انقلاب کی طرف پیش رفت نہ ہو۔ تو میرے نزدیک ان کا کوئی عذر' سند' مقام' بنیاد نہیں ہے اور ''لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ'' والی بات ان پر بتمام وکمال منطبق ہوتی ہے۔

آیت ۲۸ کی تاویل خاص

آگے فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ﴾ (آیت ۲۸) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسول (محمد ﷺ) پر ایمان لاؤ''۔ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے مفہوم کو معین کرنے سے آیت کی دو تاویلات ہوں گی۔ پچھلی آیت ان الفاظ پر ختم ہوئی تھی: ﴿فَاٰتَیْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْھُمْ اَجْرَھُمْ ۚ وَکَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ یعنی متبعین مسیح علیہ السلام میں سے جو لوگ صاحب ایمان ہوئے' ہم نے انہیں ان کا بھرپور اجر عطا کر دیا' لیکن ان کی بھی کثیر تعداد فاسقین پر مشتمل ہے۔ متبعین مسیحؑ میں سے جو لوگ صاحب ایمان ہوئے ان سے مراد کیا ہے! ایک مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے صحیح دین پر رہے' ایمان پر قائم رہے' اب ان لوگوں کو درحقیقت ترغیب دی جا رہی ہے کہ اب لاؤ ایمان محمد ﷺ پر۔ فرمایا جا رہا ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾: یعنی ''اے وہ لوگو جو (مسیح علیہ السلام پر صحیح معنی میں) ایمان رکھتے ہو'' —— اب اللہ کو چونکہ وہ پہلے سے مانتے ہیں' لہٰذا یہاں "اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ" کا لفظ نہیں آیا' بلکہ فرمایا: ﴿اتَّقُوا اللّٰہَ﴾ ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''۔ جس اللہ کو تم پہلے سے مانتے ہو تمہاری زندگی کے اندر بالفعل اس کا خوف اور اس کے محاسبے کا

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

احساس برقرار نظر آنا چاہیے! ﴿وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ﴾ ''اور ایمان لاؤ اُس کے رسولؐ پر''۔ یہ گویا تمہارے لئے نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کا معاملہ ہوگا۔ تمہارے اس ایمان کا جو تم عیسیٰ علیہ السلام پر رکھتے ہو' اگر وہ سچا ایمان ہے' لازمی تقاضا بھی یہی ہے۔ اب اگر تم ایمان نہیں لارہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تو گویا تمہارا حضرت مسیحؑ پر ایمان کا دعویٰ بھی باطل ہو جائے گا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں اب تمہیں کوئی عصبیت نہ روکے کہ یہ نیا نبی ہے' نئی قوم کے اندر آیا ہے' یہ اُمیین میں سے ہے۔ بلکہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور عصبیت' ضد' ہٹ دھرمی' مغائرت میں سے کسی چیز کو اپنے راستے میں رکاوٹ نہ بننے دو۔ تو اس تاویل کی رو سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے۔

اب اس تاویل کی رو سے آیت کا مفہوم مکمل کر لیجئے! فرمایا: ﴿یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ﴾ ''(اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تمہیں عطا کرے گا اپنی رحمت میں سے دوگنا حصہ''۔ کِفْلٌ کہتے ہیں ترازو کے ایک پلڑے کو۔ تو کِفْلَیْنِ کا مطلب ہوگا ''دو پلڑے''۔ اب اس اعتبار سے مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ ﴿وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ط﴾ ''اور تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا جس کو لے کر چل سکو گے اور تمہیں بخش دے گا''۔ جو خطائیں اور غلطیاں ہوں گی' سابقہ زندگی کی بھی اور آگے کی بھی' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے گا۔ ﴿وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۸﴾﴾ ''اور اللہ غفور رحیم ہے''۔ یہ تاویل بڑی مسلسل (continuous) تاویل بنتی ہے۔ پچھلی اور اگلی دونوں آیتوں کے ساتھ اس کا ربط بہت گہرا جڑ رہا ہے۔

اس تاویل کے حق میں ایک متفق علیہ حدیث بھی ہے:

عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: ((ثَلَاثَۃٌ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَرَّتَیْنِ: رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ آمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَاَدْرَکَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَآمَنَ بِہٖ وَاتَّبَعَہٗ وَصَدَّقَہٗ فَلَہٗ اَجْرَانِ' وَعَبْدٌ مَمْلُوْکٌ اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ تَعَالٰی وَحَقَّ سَیِّدِہٖ فَلَہٗ اَجْرَانِ' وَرَجُلٌ کَانَتْ لَہٗ اَمَۃٌ فَغَذَّاھَا فَاَحْسَنَ غِذَاءَ ھَا ثُمَّ اَدَّبَھَا فَاَحْسَنَ اَدَبَھَا' ثُمَّ اَعْتَقَھَا وَتَزَوَّجَھَا فَلَہٗ اَجْرَانِ))

© rasailojaraid
© rasailojaraid

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے صاحب زادے حضرت ابو بردہؓ اپنے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگ وہ ہوں گے جنہیں (قیامت کے دن) دوہرا اجر ملے گا: ایک اہل کتاب میں سے وہ شخص جو ایمان رکھتا تھا اپنے نبی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر اور اس نے نبی آخر الزمان ﷺ کا زمانہ بھی پا لیا (یعنی حضور ﷺ کو پہچان لیا' چاہے وہ حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں بھی تھا) اور وہ ان پر بھی ایمان لے آیا اور آپ ﷺ کا اتباع کیا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی تو ایسے شخص کے لئے دوہرا اجر ہے۔ اور دوسرا وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی ادا کیا (یعنی خدا اور رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنے آقا کا حق بھی بحسن وخوبی ادا کیا) تو اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔ اور ایک ایسا شخص جس کی ملکیت میں ایک لونڈی (باندی) تھی' تو اس نے اسے اچھی غذا دی (اس کو کھلایا' پلایا' پالا پوسا) اور اس کی عمدہ اخلاقی تربیت کی (اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا) پھر (جب وہ جوان ہوگئی تو) اسے آزاد کر دیا اور اس سے باقاعدہ نکاح کیا (یعنی پہلے تو اس کی لونڈی کی حیثیت تھی' اب اسے آزاد کر کے اپنے عقدِ نکاح میں لا کر برابری کا درجہ عطا کر دیا) تو اس شخص کے لئے بھی دو اجر ہیں''۔

بہر حال آخر الذکر باتیں ہمارے موضوع سے متعلق نہیں ہیں' جبکہ پہلی بات اس آیت کی مذکورہ بالا تاویل کی پوری طرح تائید کر رہی ہے۔ اس چوتھے رکوع کے مضمون کے ساتھ (یعنی ماقبل آیات سے) اس تاویل کی کامل مطابقت ہے۔ اس لئے کہ اس میں رہبانیت کا تذکرہ ہو رہا ہے' حضرت مسیح علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے' حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کا ذکر ہو رہا ہے اور اب ان کو دعوت دی جا رہی ہے کہ تم جب اپنے نبی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو تو اب اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر بھی ایمان لاؤ اور اس کے بدلے میں تمہارے لئے دوہرا اجر ہوگا۔

تاویلِ عام کے اعتبار سے آیت کا مفہوم

اس آیت کی ایک تاویلِ عام بھی ہے اور وہ ہمارے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

© rasailojaraid.

اس لئے کہ اِس سورۂ مبارکہ کا یہ حصہ سورۃ الحدید کا نقطۂ عروج بھی ہے۔ اس اعتبار سے یہاں پر گویا مخاطب عام اہلِ ایمان ہیں، صرف "متبعین مسیح" ہی نہیں ہیں، لہٰذا ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کا مطلب ہے: "اے اہلِ ایمان!" یعنی وہ تمام مسلمان جو حضور ﷺ پر ایمان لائے، چاہے وہ پہلے تھے، چاہے آج ہیں، چاہے ہمیشہ ہوں گے، سب اس خطاب میں شامل ہیں۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ﴾ "اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ایمان رکھو اس کے رسول (ﷺ) پر"۔ یہاں ایمان بالرسولؐ پر جو emphasize کرنا پیش نظر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ درحقیقت ایمان بالرسول اور اطاعت رسول ﷺ ہی میں اصل ہدایت مضمر ہے۔ ہدایت عملی کا سارے کا سارا دارومدار اطاعت رسول اور ایمان بالرسول ﷺ پر ہے۔ ایمان بالرسول یہ ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ جو خیر ملے گا یہاں سے ملے گا، جو بھلائی ملے گی یہاں سے ملے گی۔ اب اس کا ایک لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضور ﷺ کو اسوۂ کاملہ ماننے والا شخص کبھی بھی گھر گرہستی کی زندگی کو گھٹیا نہیں سمجھ سکتا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر دل میں حضور ﷺ کی عظمت ہے، حضور ﷺ سے عقیدت اور محبت ہے، اور معلوم ہے کہ "جا ایں جاست" ہدایت کا منبع اور سرچشمہ حضور ﷺ کی سیرت ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ مزاج کے اندر کہیں رہبانیت کا رُخ پیدا ہو سکے! ﴿وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ﴾ "اور اللہ کے رسول (ﷺ) پر پورا ایمان رکھو" کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ یہ جو تمہارے اوپر انقلاب کا ایک فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ ہم نے تمہیں جو نظامِ عدل وقسط عطا کیا ہے اس کو قائم کرو، تو اس کے قیام کا طریقِ کار اور منہج جاننے کے لئے اپنی مائیکروسکوپ کو سیرتِ محمد ﷺ پر مرتکز کر دو۔

میں اس سے پہلے بھی کئی مواقع پر عرض کر چکا ہوں کہ قرآن مجید میں اقامتِ دین کی فرضیت، اعلاءِ کلمۃ اللہ کی اہمیت، تکبیرِ ربّ اور "اظہارُ دینِ الحقّ علی الدّین کُلّہ" کے لئے جہاد وقتال کی فرضیت "یکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" کے مقصد کے لئے جدوجہد کی اہمیت اور اس کی فرضیت، یہ چیز بہت ہی واضح اور اظہر من الشمس ہے،

© rasailojaraid.

بشرطیکہ کسی کے دل میں کھوٹ نہ ہو اور گریز اور فرار کی نیت نہ ہو۔ اب سوچنا یہ ہے کہ ان بدلے ہوئے حالات میں یہ کام کیسے کیا جائے؟ اس کے لئے درحقیقت قرآن مجید سے براہِ راست ہدایت نہیں ملتی۔ اس لئے کہ ترتیب مصحف ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے نہیں ہے۔ قرآن مجید میں وہ سورتیں بھی کہ جن کا تعلق سیرتِ محمدی ﷺ سے ہے اور جن کا اکثر و بیشتر حصہ سیرت کے واقعات سے بحث کرتا ہے' زمانی ترتیب سے نہیں ہیں' مثلاً سورۃ التوبہ دسویں گیارہویں پارے میں آ گئی ہے جس میں غزوۂ تبوک کا ذکر ہے جبکہ سورۃ محمد چھبیسویں پارے میں ہے جو کہ غزوۂ بدر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ الاحزاب اکیسویں پارے میں ہے جس کے اندر غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جو ۵ھ میں ہوا ہے۔ جو سورتیں مکی دور کے بالکل ابتدائی ایام میں نازل ہوئی ہیں وہ مصحف کے آخر میں ہیں۔ تو اس حوالے سے قرآن مجید میں وہ ترتیب نہیں ہے جو نزولی اعتبار سے ہے۔ یہ ترتیب ملے گی سیرت النبی ﷺ سے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد میں سیرتِ نبویؐ سے راہنمائی

میں نے بعض مواقع پر مثال دی ہے کہ جس علاقے میں بھی امید ہو کہ یہاں سے تیل نکل آئے گا تو وہاں ارب ہا ارب ڈالر ڈرلنگ کے اوپر خرچ کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ یقین بھی نہیں ہے' بس کچھ خیال اور امید ہے کہ یہاں سے ہمیں وہ سیال سونا مل جائے گا تو اسی امید پر وہاں بہت بڑی مہم چلائی جاتی ہے۔ تو اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ ہدایت کہ دین کیسے قائم ہو گا' ہم اپنے اس فریضۂ اقامت دین سے کیسے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں' اس کی عملی شکل کیا ہو گی' صرف سیرتِ محمدیؐ سے ملے گی تو پھر آپ اپنی توجہ اسی پر مرکوز کریں گے' اس پر غور کریں گے' تدبر کریں گے۔ اقبال نے قرآن پر غور و تدبر کی دعوت دیتے ہوئے یہ الفاظ استعمال کئے ہیں ؎ ''قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں!'' اسی طرح سیرتِ محمدیؐ میں غوطہ زن ہوئے بغیر طریق انقلاب آپ کے سامنے واضح نہیں ہو گا۔ تو میرے نزدیک اس آیت مبارکہ کا تعلق زیر درس سورۃ کے اس عمود کے ساتھ جڑ جاتا ہے کہ:

© rasailojaraid.c

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴾

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیاں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں' اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے تا کہ اللہ کو معلوم ہو جائے (اور وہ لوگوں پر واضح کر دے) کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے غیب میں رہتے ہوئے۔ یقیناً اللہ بڑی قوت والا اور زبردست ہے''۔

اب اس کا عملی طریق کار تمہیں کہاں ملے گا؟ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ﴾ ''اے (تمام) اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کے رسولوں پر ایمان پختہ رکھو!'' سارا زور اطاعت واتباعِ رسولؐ کے اوپر ہے۔ جیسے کہ آیۂ استخلاف (النور: ۵۵) سے ماقبل آیت (نمبر ۵۴) میں بھی اطاعت رسول پر زور ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾

''کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ) کہ اللہ کے مطیع بنو اور رسولؐ کے تابع فرمان بن کر رہو۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسول پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم ہو۔ اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے' ورنہ رسولؐ کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ صاف صاف حکم پہنچا دے''۔

اور مابعد آیت (نمبر ۵۶) میں بھی اطاعتِ رسولؐ پر زور ہے: ﴿وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ درحقیقت اس طویل آیت آیۂ استخلاف کے اوّل و آخر سارا زور ہے اللہ کے رسولؐ کی اطاعت پر۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

تو اس حوالے سے منہجِ انقلابِ نبویؐ کی اہمیت سامنے رہے۔ اور اس کے لئے بہرحال ہمارے پاس فہم و ادراک کا سرچشمہ اور ذریعہ سوائے سیرت النبی ﷺ کے اور کوئی نہیں ہے۔ اور اس کے لئے بھی یہ بات پیشِ نظر رہے کہ جیسے قرآن کو سمجھنے کے لئے کوئی ایک تفسیر کفایت نہیں کرتی اسی طرح اگر کسی ایک کتابِ سیرت پر اکتفا کر کے بیٹھ رہیں گے تو سیرت کے بہت سے پہلو اوجھل رہ جائیں گے۔ ہر سیرت نگار کا اپنا نقطۂ نظر ہے' جیسے ہر مفسر کا اپنا ایک نقطۂ نظر ہے' ہر مفکر کا اپنا ایک زاویۂ نگاہ (angle of view) ہے۔ ایک ہی شے کو اِدھر والے دیکھ رہے ہیں تو ان کے پردۂ بصارت پر اس کی تصویر کچھ اور بن رہی ہے' جبکہ اُدھر والے دیکھ رہے ہیں تو ان کے retina پر اس کی تصویر کچھ اور بن رہی ہے۔ مختلف زاویۂ نگاہ سے زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک ہی قرآن ہے اس کو ایک شخص پڑھ رہا ہے' تدبر کر رہا ہے' سمجھ رہا ہے' اور یہ سب کچھ نیک نیتی سے کر رہا ہے' لیکن اس کے سامنے کچھ اور پہلو زیادہ اجاگر ہو رہے ہیں۔ دوسرا شخص بھی نیک نیتی سے اپنی امکانی حد تک محنت کر رہا ہے' جہاد کر رہا ہے' اجتہاد کر رہا ہے' لیکن اس کے سامنے کچھ دوسرے پہلو نمایاں ہو رہے ہیں۔ تو کوئی ایک کتاب تفسیر بھی کبھی کفایت نہیں کرے گی اور کوئی ایک کتابِ سیرت بھی کبھی کفایت نہیں کرے گی۔ اس کے لئے مختلف کتابوں سے استفادہ کرنا چاہئے' لیکن یہ طے ہو جائے کہ ''جا ایں جا است'' جو کچھ ملے گا یہیں سے ملے گا' لہٰذا اس کارِ عظیم کا طریق کار سیرت نبویؐ سے ماخوذ ہو گا' اور خاص طور پر طریق تنظیم۔

انقلابِ نبویؐ کے طریقِ کار کے مختلف مراحل تو پھر بھی قرآن مجید میں مل جاتے ہیں' لیکن یہ کہ اس کے لئے جمعیت کس بنیاد پر فراہم ہو گی' اس کے بارے میں قرآن میں سوائے اشاروں کے کچھ ہے ہی نہیں' جبکہ اس کا پورا نقشہ آپ کو سیرتِ نبویہؐ سے ملے گا۔ اسی طرح سیرت میں بیعت کا ایک مکمل نظام ہے' حالانکہ حضور ﷺ کے لئے تو بیعت ضروری تھی ہی نہیں۔ آپ تو رسول تھے۔ جو ایمان لے آیا اسے تو ہر حال میں آپ کی اطاعت کرنی ہی کرنی تھی۔ کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی اطاعت نہ کرے۔ تو ایک

© rasailojaraid.com

علیحدہ سے قول و قرار اور اطاعت کا معاہدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی' لیکن آپ ﷺ نے در حقیقت بعد میں آنے والوں کے لئے یہ اسوہ سے چھوڑا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ''تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں ایک بہترین (اور مکمل) نمونہ ہے''۔ اس اعتبار سے یہ بیعت کا نظام میرے آپ کے لئے اور اِس وقت کے تمام مسلمانوں کے لئے ہے' چاہے حضرت مسیح علیہ السلام کے متبعین میں سے کوئی ایمان لے آئے' چاہے یہودیوں میں سے کوئی ایمان لے آئے' جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں' چاہے مشرکین عرب میں سے کوئی ایمان لائے' وہ انصار میں سے ہو یا مہاجرین میں سے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر ''كِفْلَيْنِ'' کے کیا معنی ہوں گے؟ اس لئے سمجھنا ہو گا کہ اس اعتبار سے تو مذکورہ بالا حدیث نبویؐ کی رو سے ''كِفْلَيْنِ'' کے معنی معین ہو گئے کہ اہل کتاب میں سے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے انہیں دوہرا اجر ملے گا' اس لئے کہ وہ پہلے اپنے نبی پر بھی ایمان لائے ہوئے تھے' انہوں نے تعصب کی کسی پٹی کو اپنی آنکھوں پر بندھنے نہیں دیا اور حضور ﷺ پر بھی ایمان لے آئے۔ لیکن یہ کہ متبعین محمد ﷺ جو عام ہوں' ان کے لئے ''كِفْلَين'' کس اعتبار سے ہوگا؟ مثلاً ہم تو پیدا ہی ہوئے امت محمدؐ میں۔ یا کچھ لوگ وہ تھے جو پہلے کسی بھی نبی کے ماننے والے نہیں تھے' وہ حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور حضور ﷺ کا اتباع کرتے ہیں' آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں تو اُن کے لئے ''كِفْلَين'' کس اعتبار سے ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے سورۂ سبا کی آیت ۳۷ کا مطالعہ کیجئے جو دیگر تمام مسلمانوں کے لئے بھی كِفْلَين کا مفہوم دے رہی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''(دیکھو مسلمانو!) وہ چیزیں جن کے ذریعے سے تم ہمارا تقرب حاصل کر سکتے ہو وہ تمہارے اموال اور اولاد نہیں ہیں' سوائے اُس کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے''۔ ایمان اور عمل صالح کے بعد تو مال بھی تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن جائے گا' اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے'

© rasailojaraid

اولاد بھی ذریعۂ تقرب بن جائے گی' اسے اللہ کے دین کے لئے تیار کیا جائے' اس کے اندر وہی جذبہ پیدا کیا جائے اور ان کی تربیت کی جائے۔ لیکن ایمان اور عمل صالح کے بغیر اولاد سے اور مجرد مال سے تقرب حاصل نہیں ہوتا۔ آگے فرمایا: ﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا﴾ ''تو ایسے لوگوں کے لئے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہوگا''۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دوہرا اجر کیوں ہوگا؟ یہ دوہرا اجر اس اعتبار سے ہے کہ ہر مسلمان جب دین پر عمل کرتا ہے تو وہ اپنے عمل کے ذریعے سے اپنے پیچھے والوں کے لئے بھی ایک اُسوہ چھوڑ رہا ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کوئی شخص رشوت لیتا تھا' اس کی زندگی میں اللے تللے تھے' عیش ہو رہی تھی۔ اب اس نے سمجھا کہ یہ حرام ہے اور اسے چھوڑ دیا تو اب یہ چیز کسی اور کے لئے بھی مثال بن جائے گی کہ اگر اُس کا بغیر رشوت کے گزارا ہو رہا ہے تو ہمیں بھی موت نہیں آجائے گی' فاقہ نہیں آجائے گا اگر میں اِس حرام سے رُک جاؤں۔ یا فرض کیجئے کوئی شخص کسی بینک کے اندر ملازم تھا' پندرہ بیس ہزار روپے تنخواہ لے رہا تھا' لیکن اب اس نے وہاں سے ملازمت چھوڑ دی ہے اور کہیں دوسری جگہ تین چار یا پانچ ہزار کی تنخواہ پر گزارا کر رہا ہے تو اس کے اس عمل سے کسی اور شخص کے اندر بھی عزیمت پیدا ہو سکتی ہے کہ اگر وہ ہمت کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی ہمت دے سکتا ہے۔ تو یہ صاحب عزیمت انسان بعد والوں کے لئے یا خود اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے چونکہ نمونہ بن جاتا ہے' ان کی ہمت افزائی اور حوصلہ افزائی کا ذریعہ بن جاتا ہے' لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے اجر دوہرا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی دوسری مثال سورۃ الاحزاب میں حضرت محمد ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ضمن میں آئی ہے۔ ان سے فرمایا گیا کہ اگر تم نیک کام کرو گی تو تمہیں اجر بھی دوہرا ملے گا اور اگر کوئی غلط حرکت کرو گی تو سزا بھی دوہری ملے گی۔ اس لئے کہ تمہاری ایک خصوصی حیثیت ہے کہ تمہیں تمام امت مسلمہ کی خواتین کے لئے اسوہ بننا ہے۔ عورتوں کی زندگیوں کا جو خالص نسوانی اور صنفی پہلو ہے اس اعتبار سے ظاہر بات ہے کہ حضور ﷺ تو ان کے لئے مکمل نمونہ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ آپؐ بہر حال مرد ہیں۔ تو وہ اسوہ اللہ نے

© rasailojaraid.c

ازواجِ مطہرات کے ذریعے سے فراہم کیا ہے۔ اس حوالے سے فرمایا کہ اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی تو سزا دوہری ہوگی اور اگر نیکی پر چلو گی تو تمہارا اجر بھی دوہرا ہے۔ اس معنی میں ”کِفۡلَیۡنِ“ کا مفہوم بھی معین ہوگیا۔

اس تاویل سے آیت کا اگلا ٹکڑا بہت زیادہ نکھر رہا ہے کہ: ﴿ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِہٖ ﴾ ”اور وہ تمہیں نور دے گا جس کو لے کر تم چل سکو گے“۔ ”تَمۡشُوۡنَ بِہٖ“ کا ایک پہلو تو سورۃ الحدید کی آیت ۱۲ کے حوالے سے سمجھ لیجیے کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں جب اہل ایمان اور منافقوں کو علیحدہ کرنے کے لئے چھانٹی لگے گی تو اہل ایمان کو نور عطا ہوگا۔ وہ نور ان کے سامنے بھی ہوگا اور داہنے ہاتھ کی طرف بھی ہوگا۔ اس سے مراد ایک تو یہ نورِ ایمان ہے‘ اور خاص طور پر اللہ کے نبی ﷺ پر ایمان کا نور جس کو لے کر اہل ایمان چل سکیں گے۔ لیکن میرے نزدیک اس امکان کے باوجود یہ تاویل زیرِ درس آیت کے ساتھ زیادہ مناسبت نہیں رکھتی۔ اب آپ اس کی اصل مناسبت سمجھ لیجیے! آپ دین کی انقلابی جدوجہد میں مصروف ہیں‘ اس راہ میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کوئی پگڈنڈی اِدھر مڑ رہی ہے‘ کوئی اُدھر مڑ رہی ہے۔ اب قدم قدم پر سوال آئے گا کہ کہاں جاؤں؟ اب اگر رسول اللہ ﷺ پر گہرا ایمان ہے‘ اور یقین ہے کہ ”جا ایں جا است“ کہ یہیں سے ملے گا جو کچھ ملے گا تو پھر یہ نور تمہارے ساتھ ہوگا‘ یہ قدم قدم پر تمہاری راہنمائی کرے گا اور کسی غلط موڑ پر مڑنے سے بچا لے گا۔ ﴿ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ نُوۡرًا تَمۡشُوۡنَ بِہٖ ﴾ سے مراد دراصل یہ ہے۔ لہٰذا اِس وقت اُسوۂ رسول ﷺ کو سامنے رکھو! ذاتی زندگی کے معاملات ہوں یا تحریکی معاملات ہوں‘ اجتماعی اور انقلابی جدوجہد ہو‘ ہر جگہ اسوۂ رسولؐ سامنے رہنا چاہیے! البتہ جہاں کہیں معین طور پر بالکل نئی صورتِ حال ہو‘ وہ حالات نہ ہوں جو حضور ﷺ کے زمانے میں تھے تو نئے تبدیل شدہ حالات کے اندر پھر اجتہاد کیا جائے گا۔ اور اجتہاد بھی کتاب و سنت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ وہیں سے استنباط کرنا ہوتا ہے۔ جیسے آپ کو راجباہ سے پانی لینا ہے تو وہاں سے نالی کھینچنا ہوگی‘ ورنہ اگر نالی کا تعلق راجباہ کے ساتھ ہی نہیں

© rasailojaraid
© rasailojaraid

ہے تو پانی کہاں سے آ جائے گا؟ تو اصل راہنمائی تو قرآن و سنت ہی سے ملے گی' وہیں سے اجتہاد کر کے راہنمائی حاصل کرنی ہے۔ اور یہ اجتہاد بھی صرف اُسی جگہ ہوگا جہاں پر قطعیت کے ساتھ ثابت ہو جائے کہ یہ بالکل نئی صورتِ حال ہے جو اُس وقت کے حالات سے بالکل مختلف ہو چکی ہے' اور پھر اس کا تعین بھی کرنا ہوگا کہ جتنی جگہ پر اجتہاد کی ضرورت ہے اس سے آگے تجاوز نہ ہو' ایسا نہ ہو کہ اس کو generalize کر کے پورے کے پورے منہج انقلابِ نبویؐ کی بساط لپیٹ دی جائے' بلکہ صرف اُس Particular Issue کی حد تک اجتہاد کیا جائے۔ بہر حال میرے نزدیک یہ مفہوم ہے اس آیۂ مبارکہ کا!

اس سورۂ مبارکہ کا عمود اس کی آیت ۲۵ ہے۔ اس کا مفہوم ذہن میں رکھتے ہوئے براہ راست اس آیت پر آ جائیے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا اتَّقُوا اللهَ ﴾ ''اے اہل ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو''۔ تمہارے اندر قوت و صلاحیت اور ایثار و قربانی کا مادہ تو اللہ کے تقویٰ سے پیدا ہوگا' یعنی اللہ کا خوف اور اس کی محبت۔ تقویٰ کے اندر ایک پہلو محبت کا بھی تو ہے! یعنی کسی محبوب ہستی کے کسی حکم سے بھی سرتابی نہ کرنا کہ مبادا وہ ناراض ہو جائے' اس طرزِ عمل کی اصل بنیاد محبت ہے۔ یہی تمہاری source of energy ہے۔ تمہاری جدوجہد اور صلاحیتوں کے لئے ایک رخ متعین کرنے والی شے تو اللہ کا تقویٰ ہے' لیکن یہ نیت' جذبہ' جوش و خروش' جدوجہد' جہاد و قتال عملاً کس راستے پر direct ہوں؟ فرمایا: ﴿ وَامِنُوا بِرَسُولِهِ ﴾ ''اور ایمان لاؤ اس کے رسولؐ پر''۔ اب اس کے لئے طریق کار اور منہج محمد رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ کاملہ اور آپؐ کی سیرتِ مطہرہ میں ہے۔ اگر یہ کرو گے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ ﴿ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهِ ﴾ ''وہ تمہیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ عطا فرمائے گا''۔ اس لئے کہ تم خود بھی دوسروں کے لئے اسوہ بن جاؤ گے' اسوۂ محمدی کو transmit کرنے کا ذریعہ بن جاؤ گے۔ تم بھی گویا ایک لنک بن جاؤ گے اس اُسوۂ محمدیؐ کو دوسرے لوگوں یا اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کے لئے۔ ﴿ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ ﴾ ''اور وہ تمہیں نور عطا کرے گا جس میں تم چل

© rasailojaraid
© rasailojaraid

سکو گے''۔تمہاری اجتماعی جدوجہد کو قدم قدم پر راہنمائی فراہم کرنے کے لئے وہ نورِ سیرتِ محمدیؐ ہر وقت تمہاری دستگیری کے لئے موجود ہوگا۔ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور (اگر کوئی خطا ہو ہی گئی تو) اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے گا۔اور اللہ غفور ہے' رحیم ہے''۔

آیت ۲۹ کا تفسیری اشکال اور اس کا حل

﴿لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾

''(یہ اس لئے ہے) تاکہ اہل کتاب یہ نہ سمجھ لیں کہ اللہ کے فضل پر اب ان کا کوئی حق نہیں ہے' اور یہ کہ اللہ کا فضل اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے' جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے' اور وہ بڑے فضل والا ہے''۔

اس آیت کی تاویل میں بڑا قیل وقال ہے اور میرے نزدیک اس بحث کا اکثر و بیشتر حصہ بالکل بغیر کسی بنیاد کے ہے۔ بدقسمتی سے بعض مقامات پر ہمارے مفسرین خواہ مخواہ کی بحثوں میں بہت الجھ گئے ہیں۔ یہاں ''لِئَلَّا'' میں جو''لَا'' ہے اس کے بارے میں اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ زائد ہے اور اصل میں مراد یہ ہے:''لِكَيْ يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ'' یعنی'' تاکہ یہ معلوم ہو جائے تمام اہل کتاب کو کہ ان کی کوئی اجارہ داری نہیں ہے (کوئی ٹھیکے داری نہیں ہے) اللہ کے فضل پر''۔ یہود کا تصور تھا کہ نبوت و رسالت تو ہماری میراث تھی' دو ہزار برس تک تو یہ ہمارے پاس رہی' اب یہ آخری نبوت و رسالت کہاں چلی گئی! تو فرمایا کہ ان پر یہ بات کھل جائے' واضح ہو جائے کہ یہ کوئی تمہاری اجارہ داری نہیں تھی' نبوت و کتاب کا یہ معاملہ اب ہم نے بنی اسماعیل کے حوالے کیا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین اور سید المرسلین کی حیثیت سے مبعوث ہو گئے ہیں۔تو یہ بات ان کے سامنے کھل جانی چاہئے اور کوئی اشتباہ نہیں رہنا چاہئے کہ نبوت و کتاب پر ان کا کوئی اختیار' کوئی ٹھیکیداری' کوئی اجارہ داری نہیں ہے' یہ تو اللہ کا فضل ہے جو اللہ ہی کے اختیار میں ہے' جس کو چاہتا ہے دیتا

© rasailojaraid.

ہے۔اس لئے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ نبوت وکتاب کس کو دینی ہے۔ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ (الانعام:۱۲۵) ''اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے''۔اللہ جو فیصلہ کرتا ہے اپنے علم کامل کی بنیاد پر کرتا ہے۔

﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ﴾ کا ایک تو یہ مفہوم ہے' لیکن اس میں ''لَا'' زائد ماننا پڑتا ہے۔اس لائے زائدہ کے بارے میں مَیں مولانا اصلاحی صاحب اور ان کے ہم خیال لوگوں سے بالکل متفق ہوں کہ قرآن مجید میں کہیں کوئی لفظ زائد نہیں آیا۔ کتابت میں ضرور کچھ حرف زائد آ گئے ہیں۔چنانچہ کسی جگہ پر آپ دیکھتے ہوں گے کہ ''الف'' لکھا ہوا ہے اور اوپر گول دائرہ بنا ہوا ہے اور یہ الف پڑھنے میں نہیں آتا۔وہ کتابت کا مسئلہ ہے اور کتابت خالص انسانی معاملہ تھا۔قرآن لکھا ہوا نازل نہیں ہوا۔ وہ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنا ہے۔کتابت ایک اگلا مرحلہ ہے جو انسانی ہاتھوں سے ہوا ہے۔ہمارے ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو رسم عثمانی ہے' یہ سب سے زیادہ ثقہ (authentic) ہے' اس میں بھی بعض حروف اضافی ہیں' لیکن قرآن مجید کے ٹیکسٹ میں کوئی لفظ زائد از ضرورت نہیں ہے۔

ایک ''لا'' جو عام طور پر قسموں کے شروع میں آجاتا ہے' جیسے ﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اور ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ بہت سے مفسرین اس کے بارے میں بھی کہہ دیتے ہیں کہ ''لا'' زائدہ ہے۔حالانکہ اس کی صحیح ترین تاویل مولانا فراہی نے کی ہے جس کی مولانا اصلاحی نے وضاحت کی ہے کہ یہاں پر اصل میں مخاطب کے کسی خیال کی نفی سے بات شروع کی جا رہی ہے کہ تم جو کچھ سوچ رہے ہو حقیقت وہ نہیں ہے۔چنانچہ ﴿لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ کا ترجمہ ہوگا Nay, I swear the day of Judgement ''نہیں' میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں''۔تمہارے خیالات' تمہارے شکوک پادر ہوا ہیں' بے بنیاد ہیں' ان کی کوئی حقیقت نہیں۔مجھے قیامت کے دن کا اتنا یقین ہے کہ میں اس کی قسم کھا رہا ہوں۔یہ بہت ہی بلیغ اسلوب ہے۔تو جتنی

© rasailojaraid.com

بھی قسموں کے شروع میں ''لَا'' آ گیا ہے وہ لاء زائد نہیں ہے بلکہ وہ اصل میں مخاطبین کے خیالات کی نفی ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر ''لا'' مجرد تاکید کے لئے آیا ہے۔ جیسے: ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ﴾ (الاعراف:۱۲) ''تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا؟'' جب شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا تو اس سے فرمایا کہ ''کس چیز نے تجھے روکا کہ تو سجدہ نہیں کر رہا؟'' حالانکہ روکنے میں نہ کرنے کا مفہوم داخل ہے۔ اگرچہ ''مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ'' سے بھی بات پوری ہو جائے گی لیکن یہاں پر ''لَا'' تاکید مزید کے لئے ہے' بے کار و بے معنی نہیں ہے۔ ہر زبان کے اندر یہ اسلوب ہوتے ہیں کہ کسی چیز پر زور دینے کے لئے نفی کا اضافہ کرتے ہیں۔ جس طرح سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۵ ہے: ﴿وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ ''اور حرام ہے ان بستیوں پر جن کو ہم نے ہلاک کیا کہ وہ اب لوٹیں گے نہیں''۔ حَرٰمٌ کے بعد یہاں پر ''لَا'' کی ضرورت نہیں ہے' لیکن یہ بھی اصل میں تاکید مزید کے لئے ہے۔ چنانچہ یہاں پر بھی ہم ''لَا'' کو ہرگز زائد اور بے معنی نہیں کہہ سکتے۔

ہمارے ایک کرم فرما ہندوستان کے عالم دین مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کی رائے اس قسم کے اشکالات میں سب سے زیادہ صائب ہوتی ہے۔ چنانچہ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی اور حیرانی ہوئی کہ انہوں نے صاف کہا ہے کہ یہاں پر ''لا'' قطعاً زائد نہیں ہے ''لا'' اپنی جگہ پر صحیح ہے اور اس سے اصلاً مراد یہ ہے کہ ''تاکہ نہ سمجھیں وہ لوگ جو اہل کتاب تھے کہ وہ اب ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے ہیں اللہ کے فضل سے''۔ یہاں پر ''لَا يَقْدِرُوْنَ'' اجارہ داری کی نفی کے لئے نہیں ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب وہ یہ نہ سمجھیں کہ محروم ہو گئے ہیں بلکہ اب بھی ان کے لئے راستہ کھلا ہے۔ آئیں اور ایمان لے آئیں محمد ﷺ پر۔ اس کی مثال سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں آئی ہے جہاں بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا﴾ (آیت ۸) ''ہو سکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے! لیکن اگر تم نے پھر (اپنی سابق روش کا) اعادہ کیا تو ہم بھی پھر (اپنی سزا کا)

© rasailojaraid.com

اعادہ کریں گے''۔ یعنی اب بھی تمہارا رب تم پر رحم فرمانے کے لئے تیار اور آمادہ ہے' اس کی آغوشِ رحمت وا ہے' آؤ' ایمان لاؤ۔ اگلی آیت میں فرمایا: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾ ''یقیناً یہ قرآن ہدایت دے رہا ہے سیدھے راستے کی طرف''۔ تو وہی بات یہاں پر کہی جا رہی ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ تم اب راندۂ درگاہ ہو گئے ہو' محروم ہو گئے ہو' تمہارے لئے خیر کا کوئی راستہ کھلا رہ ہی نہیں گیا ہے' جیسے کہ اس سے پہلے اسی سورۃ الحدید کی آیت ۱۷ میں فرمایا گیا ہے کہ ''جان لو! اللہ تعالیٰ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے'' تو اگر تمہارے دلوں میں بھی مردنی ہے تو ہم تمہیں بھی دوبارہ زندگی عطا کر دیں گے۔ تو جیسے تشویق و ترغیب کا پہلو وہاں آیا ہے درحقیقت وہی تشویق و ترغیب یہاں اہل کتاب کے لئے ہے' چاہے وہ یہود ہوں یا نصاریٰ ہوں۔ لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ نہ سمجھیں وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے ہیں کہ اب وہ اللہ کے فضل پر بالکل ہی کوئی قدرت نہیں رکھتے' اب اللہ کا فضل ان کی دسترس سے ہی باہر ہو چکا ہے' اب فضلِ خداوندی کا دروازے ان پر مستقلاً اور کلیتاً بند ہو گئے ہیں۔ نہیں' اللہ کے فضل کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے' اس کی رحمت کی آغوش وا ہے' آؤ اور اللہ کی رحمت سے ہمکنار ہو جاؤ' اور اس کا راستہ یہی ہے کہ قرآن پر ایمان لاؤ اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاؤ!

میں یہ تحقیق کر کے حیران ہوا کہ ''لَا يَقْدِرُوْنَ'' کا لفظ قرآن مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے۔ ایک تو یہی سورۃ الحدید کا مقام ہے' باقی دو مقامات وہ ہیں جہاں آخرت میں مسلمان ریاکاروں کی نیکیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک تو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۴ ہے جہاں انفاق کا موضوع اپنی پوری تکمیلی شان کے ساتھ آیا ہے۔ فرمایا: ﴿لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا﴾ ''جو بھی کمائی انہوں نے کی ہو گی اس میں سے کچھ بھی ہاتھ پلے نہیں آئے گا''۔ دوسرا مقام سورۂ ابراہیم کی آیت ۱۸ ہے جہاں الفاظ کی ترتیب میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ فرمایا گیا: ﴿لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ﴾ ''وہ کوئی بھی قدرت نہیں رکھتے اس پر انہوں نے جو بھی کمائی کی تھی۔'' اب یہاں

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

اجارہ داری کا تو کوئی بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں پر جن لوگوں نے اجارہ داری اور ٹھیکے داری کا مفہوم شامل کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ نظائر قرآنی سے سرے سے استفادہ نہیں کرتے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اکثر و بیشتر ایسے معاملات کے اندر شاہ عبدالقادرؒ سے صحیح رہنمائی ملتی ہے۔ یہاں پر میرا وہ اصول بھی پختہ ہو گیا کہ قرآن مجید میں اہم مضامین کم از کم دو جگہوں پر ضرور آتے ہیں اور اکثر و بیشتر ترتیب عکسی ہو جاتی ہے۔ تو منافقین سے فرمایا جا رہا ہے کہ جن کو وہ نیکیاں سمجھ رہے تھے وہ تو محض سراب ہے۔ جیسے سورۃ الفرقان میں فرمایا گیا: ﴿وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا﴾ اور سورۃ ابراہیم میں ارشاد ہوا: ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ اَعۡمَالُہُمۡ کَرَمَادِ ۣاشۡتَدَّتۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ ؕ﴾ (آیت ۱۸) ''جو لوگ اپنے رب کے منکر ہوئے ان کا حال یہ ہے کہ ان کے اعمال اس راکھ کی مانند ہیں جس پر زور کی ہوا چلے آندھی کے دن جیسے کہ راکھ کا ایک ڈھیر تھا، ایک جھکڑ آیا اور وہ راکھ بکھر گئی، ایسے ہی ان کی نیکیاں اور اعمال ہوں گے۔ تو ''لَا یَقۡدِرُوۡنَ'' مذکورہ بالا دونوں جگہ پر انہی الفاظ میں تھوڑی سی لفظی تاخیر و تقدیم کے ساتھ آیا ہے اور دونوں جگہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی چیز دسترس سے باہر ہو جائے، کسی کی قدرت میں نہ رہے، کسی کے لئے قابل حصول نہ رہے۔ تو وہی مفہوم یہاں آ رہا ہے کہ نہ مایوس ہو جائیں، نہ بددل ہوں اہل کتاب کہ اب تو اللہ کے فضل میں سے کچھ بھی ان کی دسترس میں نہیں رہا، وہ تو محرومِ مطلق ہو گئے، وہ تو ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہو گئے۔ نہیں، ابھی ان کے لئے دروازہ کھلا ہے، ایمان لاؤ محمد ﷺ پر اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے مستحق بن جاؤ۔ اور آیت ماقبل میں بھی یہی بات فرمائی گئی ہے۔

اب آگے فرمایا جا رہا ہے: ﴿وَاَنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ ''اور فضل تو کُل کا کُل اللہ کے اختیار میں ہے، جس کو چاہتا ہے دیتا ہے''۔ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرو اور اہل ثابت کرنے کے لئے نیت درست کر لو، تمہارے اندر واقعتاً طلب صادق ہو۔ واقعتاً اگر ہدایت، حق اور خیر کے خواہاں اور طالب ہو تو اللہ تعالیٰ

(باقی صفحہ 36 پر)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co